ضمیر کی مار

ایک عبرت انگیز واقعہ

سعید احمد اکبر آبادی

گذشتہ برہان کے نظرات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جامع المجددین کتاب پر میرے تبصرہ نے حضرت مولانا تھانوی کے حلقۂ ارادت وعقیدت میں مدوجزر کی کیسی کیفیت پیدا کی تھی۔ اب اسی سلسلہ کا اور ایک واقعہ سنئے، جو بڑا عبرت انگیز اور سبق آموز ہے۔ میرے سوا کسی اور کو اس کا علم بھی نہیں ہے، اور میں پہلی مرتبہ اسے بیان کر رہا ہوں۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ جامع المجددین پر تبصرہ میرے قیام کلکتہ کے زمانہ کا لکھا ہوا ہے۔ کلکتہ میں میری کوٹھی کے قریب ایک صاحب رہتے تھے جن کا نام ظفر احمد تھا یہ ووڈبرن (Wood Burn) نامی اسکول میں جو پہلے پرنسپل کلکتہ مدرسہ کے ماتحت ہوتا تھا عربی کے استاد تھے۔ صورت شکل کے اعتبار سے متشرع اور نہایت صالح ونیک تھے۔ کلکتہ کے اسی علاقہ میں کانپور میں چمڑہ کا کاروبار کرنے والوں کا ایک خاندان مدت سے آباد تھا اور کتابوں کا کاروبار کرتا تھا۔ مولوی ظفر احمد اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ ہوگی۔ میرے یہاں آتے جاتے رہتے تھے اور تبلیغی جماعت سے بھی متعلق تھے۔ حضرت تھانوی سے ان کو حد درجہ عقیدت وارادت تھی۔

اس زمانہ میں مغربی بنگال اور مشرقی بنگال (سابق مشرقی پاکستان) میں آپس میں بٹوارے کے معاملات چل رہے تھے اس سلسلہ میں مسٹر ایس۔ ایم جمیل آڈیٹر جنرل آف پاکستان ڈھاکہ سے کلکتہ اکثر آتے اور چونکہ میرے دیرینہ اور نہایت مخلص دوست تھے اس لئے مغربی بنگال گورنمنٹ کے مہمان ہونے کے بجائے میرے پاس قیام کرتے اور ایک ایک ہفتہ رہتے تھے۔ جن دنوں جامع المجدد ین پر میرا تبصرہ نکل رہا تھا۔ ایک مرتبہ جمیل صاحب کلکتہ آئے اور حسب معمول میرے ہاں مقیم ہوگئے، اس قیام کے دنوں میں ایک روز مغرب کے وقت جمیل صاحب گھر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک پمفلٹ تھا۔ انہوں نے وہ پمفلٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے نہایت افسوس کے لہجہ میں کہا: "آپ نے دیکھا ہے یہ پمفلٹ؟ کون ہے اس کا لکھنے والا؟ ظالم نے کوئی گالی ایسی نہیں ہے جو آپ کو نہ دی ہو" اگر آپ کی رائے ہو تو اس پر مقدمہ چل سکتا ہے" میں نے پمفلٹ ہاتھ میں لیکر سرسری طور پر ادھر ادھر سے الٹ پلٹ کر دیکھا تو اس کے مصنف کا نام مولوی ظفر احمد معہ اپنے پتہ کے لکھا ہوا تھا۔ پمفلٹ کا اصل موضوع رد قادیانیت تھا۔ لیکن دیباچہ میں جامع المجددین پر تبصرہ کا ذکر کر کے میرے عہدہ کے ساتھ میرا نام لیکر سب وشتم کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا تھا۔ اسے پڑھ کر مجھ میں سخت اشتعال پیدا ہوا۔ لیکن فوراً ہی میں نے لاحول اور استغفر اللہ کا ورد کیا اور دماغ سے اس کا خیال ہی نکال دیا۔ بات رفت گذشت ہوگئی۔ دوسرے دن جمیل صاحب بھی چلے گئے۔ میں نے کسی سے اس پمفلٹ کا ذکر بھی نہیں کیا۔ کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ لکھنے والا اپنے آپے اور ہوش و حواس میں نہیں ہے۔

چند روز کے بعد اتفاق یہ ہوا کہ کلکتہ مدرسہ کے قریب سڑک کے پار [illegible]

کی ہم دکان صبغیۃ کتب خانہ کے نام سے ہے دو دن کے بعد سید حاجی شمس الدین صاحب نے میری طعام شب کی دعوت کی اس میں مولوی ظفر احمد بھی مدعو تھے وہاں ان سے ملاقات ہوئی تو حسب معمول میں نے السلام علیکم کہنے میں سبقت کی ان کی مزاج پرسی کی، بال بچوں کی خیریت پوچھی اور جب تک میں وہاں رہا۔ اپنی عادت کے مطابق ہنسی خوشی بات کرتا رہا۔ غرض کہ مولوی ظفر احمد پر کسی طرح یہ تاثر ہی نہیں ہونے دیا کہ ان کا پمفلٹ میری نظر سے گذر چکا ہے، کھانے کے بعد ہم نے جماعت سے عشاء کی نماز پڑھی۔ امامت میں نے ہی کی تھی، اس کے بعد میں میزبان سے اجازت لے کر گھر چلا آیا۔

دوسرے دن علی الصباح میں فجر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا مولوی ظفر احمد ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں۔ علیک سلیک کی نوبت بھی نہیں آئی، مجھے دیکھتے ہی ایک چیخ ماری اور زار و قطار روتے ہوئے میرے قدموں پر گر پڑے، میں نے فوراً سہارا دے کر انہیں کھڑا کیا تو وہ دست بستہ بری طرح روتے جاتے اور بار بار کہتے جاتے تھے کہ "خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے، معاف کر دیجئے، میں نے آپ کی شان میں سخت گستاخی کی ہے، ہائے! میں نے نہیں پہچانا کہ آپ کتنے اونچے اخلاق کے ..... للہ مجھے معاف کر دیجئے، معاف کر دیجئے، ورنہ حشر میں کیا منہ دکھاؤں گا، یہ کہتے کہتے وہ پھر دھڑام سے میرے قدموں پر گر پڑے" میں نے انہیں پھر اٹھایا اور سینہ سے لگا کر کہا: آپ یقین کیجئے! میں نے آپ کو معاف کیا۔ اب میرا دل آپ کی طرف سے بالکل صاف ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ غرض کہ بڑی مشکل سے انہیں سمجھا بجھا کے اور اطمینان دلا کر میں نے کوٹھی کے دربان کو بلایا اور اس کے ساتھ انہیں گھر واپس کر دیا۔

اس دن شام کو ۵ بجے میں دفتر سے گھر جانے کے لئے کرسی سے اٹھا تو کلکتہ مدرسہ کے ہیڈ کلرک ملک محمد اظہار الحق جواب ماشاء اللہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں نہایت لائق اور نیک نام ڈپٹی رجسٹرار ہیں میرے کمرہ میں داخل ہوئے۔ اور بولے صاحب! آپ نے سنا؟ مولوی ظفر احمد پاگل ہو گئے ہیں، گھر والوں نے انہیں رسیوں سے باندھ رکھا ہے میں یہ سنتے ہی سناٹا گیا۔ زور سے "ہیں! سچ کہا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملک صاحب کو لئے ہوئے مولوی ظفر احمد کے گھر پہونچا۔ خدا کسی دشمن کو نصیب نہ کرے۔ ان کی وہ حالت دیکھکر بیساختہ جی بھر آیا۔ اور آنکھیں ڈبڈبا اٹھیں، مجھ پر ان کی نگاہ پڑی تو ان میں سخت اشتعال اور برہمی کی کیفیت پیدا ہو گئی، اس لئے میں تھوڑی ہی دیر وہاں کھڑا ہوا، تیمارداروں سے علاج معالجہ کا حال دریافت کیا اور گھر چلا آیا۔

گھر والوں نے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، لیکن ان کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی" آخر تین چار دن کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اب بھی کبھی اس واقعہ کا خیال آجاتا ہے تو بڑی عبرت ہوتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اسباب جنون پہلے سے مہیا تھے صحت کی خرابی اور جسمانی کمزوری کے باوجود ہفتوں تبلیغی دوروں میں پھرتے رہتے، آرام کا مطلق خیال نہ کرتے اور اوراد و وظائف کی سخت پابندی کرتے ان وجوہ کی بنا پر دماغ میں خشکی تو پیدا ہو ہی گئی تھی۔ پھر برہان میں جامع المجددین پر تبصرہ کی ابتدائی قسطیں پڑھیں تو یہ سمجھ کر کہ میں مولانا تھانوی کی توہین کر رہا ہوں۔ نہایت مشتعل ہو کر میرے خلاف کہنی ان کہنی سب ایک کر دی لیکن اس کے بعد انھوں نے تبصرہ کی آخری قسطیں پڑھیں، اور پھر جامع شمس الدین

کی دعوت میں انہوں نے اپنے ساتھ میرا رویہ اور برتاؤ دیکھا تو آخر آدمی تو صالح اور نیک تھے ہی، یہ سب چیزیں اون کے ضمیر کی سخت ملامت کا باعث ہو گئیں، اس ضمیر کی ملامت کا ردعمل یہ ہوا کہ وہ ہوش و حواس سب کھو بیٹھے اور اسی عالم میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت و بخشش کی نعمتوں سے نوازے۔

الانور

جناب عبدالرحمن صاحب کوندو کشمیر

استاذالاساتذہ حضرت مولانا السید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات، اخلاق و عادات، روحانی اور علمی کمالات پر مفصل اور جامع کتاب اردو میں پہلی بار شائع ہوئی ہے۔

جس میں مؤلف نے" ولادت باسعادت سے لیکر وفات حسرت آیات سلسلۂ نسب تعلیم و تربیت، حصول علم کے لئے اسفار دارالعلوم دیوبند میں تکمیل علم کے بعد دہلی میں مدرسہ امینیہ سے رابطہ دارالعلوم میں واپسی حضرت شیخ الہندؒ کی جانشینی، پھر دارالعلوم دیوبند سے مفارقت کا حادثہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں قیام علالت اور دیوبند میں واپسی وغیرہ پر مفصل اور سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب اتنی جامعیت سے مرتب کی گئی ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ باقی یا تشنہ نہیں چھوڑا اتنی جامعیت سے اب تک اردو میں کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی بڑی محنت اور دیدہ دری سے حالات کو جمع کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے علمی و روحانی کمالات پر مراثی وغیرہ جو لکھے گئے ہیں ان کتابیں ان سب کا انتخاب شامل کیا گیا ہے ارباب ذوق خصوصاً علماء اور تاریخ کے اساتذہ و طلبہ کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ متوسط تقطیع صفحات ۴۴۰۔ قیمت مجلد چار روپے

ادبیات

غزل

از اسیر شاہجہانپوری

خرد نا محرمِ رازِ نہاں ہے
جنوں دانائے سرِ کن فکاں ہے

جہانِ ہفت رنگ مجھ سے فروتر
یہ مشتِ خاک خود اپنا جہاں ہے

مداوا کیجیے میرے جنوں کا
بہت کم وسعتِ کون و مکاں ہے

حدِ ادراک آغازِ سفر ہے
نہ پوچھو یہ مری منزل کہاں ہے

مداوائے جنوں کرتا نہیں تو
سمجھتا ہے کہ صحرا بیکراں ہے

دکھاؤں کیا جہانِ بے بصر کو
منور مجھ سے بزمِ کہکشاں ہے

تعجب ہے کہ تیرا آشیانہ
رہینِ منتِ برقِ تپاں ہے

ٹھہر جا گردشِ دوراں ٹھہر جا
ذرا سُن لے حدیثِ دلبراں ہے

دعائیں دو اسیر زندہ دل کو
کہ یہ غارت گرِ بزمِ فغاں ہے